© rasailojaraid.com

مباحثہ ومکالمہ

ڈاکٹر محمد امین☆

فکر اسلامی کو درپیش عصری چیلنج

تجمد اور تجدد کے درمیان راہ توسط کی تلاش

شارع مشفق ومہربان نے ختم نبوت کا اعلان کرتے ہوئے دین حق کو تا قیامت قابل عمل رکھنے کے لیے جس حکمت عملی کا اعلان فرمایا، اس کے اہم اجزا یہ تھے: سارے عالم کو ہمیشہ کے لیے امت دعوت قرار دینا، نصوص قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خود لینا، مسلمانوں کو کار دعوت کی ذمہ داری سونپنا اور انہیں اجتہاد کی اجازت دینا۔ عقیدے سے قطع نظر عقل ومنطق کی رو سے بھی یہ انتظامات اس امر کی قطعی بنیاد مہیا کر دیتے ہیں کہ فکر اسلامی دنیا کے ہر خطے میں اور ہر عہد میں قابل عمل رہ سکتی ہے، لیکن ان اصولوں سے فائدہ اٹھانے اور ان پر عمل کرنے کا انحصار بہرحال انسانی کاوشوں پر ہے۔ اگر مسلم اہل علم ان اصولوں کو نہ اپنائیں اور ان پر عمل درآمد نہ کریں تو کوئی ان کو مجبور نہیں کر سکتا اور نہ اس سے شریعت کے کمال وشمول پر حرف آتا ہے۔

اجتہاد کی ضرورت اور سپرٹ یہ تھی کہ نصوص قرآن وسنت بہرحال محدود تھیں جبکہ قیامت تک آنے والی انسانی نسلوں کے مسائل محدود نہ ہو سکتے تھے کہ زمان ومکان کے تغیر کے ساتھ فکری اور تمدنی ارتقا بھی ناگزیر تھا۔ لہٰذا اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ نئے دعوتی، قانونی، سماجی، معاشی مسائل میں نصوص کی تعبیر نو، قیاس، مقاصد شریعت، مصالح مرسلہ وغیرہ جیسے ذرائع استعمال کر کے اجتہاد کی مستقل اجازت دے دی جائے۔ اس سلسلے میں صدر اول میں دو طرح کے رجحانات دیکھنے میں آئے۔ ایک نصوص کی تعبیر الفاظ نص کے قریب تر رہتے ہوئے کرنا (جسے Literal Interpretation کہا جا سکتا ہے) اور دوسرے الفاظ نص کی سپرٹ اور علت وغایت کو سامنے رکھتے ہوئے تشریح کرنا (یعنی Liberal Interpretaion کرنا)۔ انہی دونوں رجحانات نے بعد میں اہل الرائے اور اہل الحدیث اور عصر تدوین میں مذاہب ائمہ اربعہ کی تدوین اور مسلک اہل الظاہر کی ترسیم کا روپ دھارا۔ اس دوران مسلمانوں میں تعلیم وتعلم اور تحقیق وتفتیش کے رویے پختہ ہو کر سامنے آئے۔ یونانی افکار کے تعارف نے علمی حلقوں میں تموج پیدا کیا اور اگرچہ کچھ عرصہ تک بعض مسلم حلقے اس سے مرعوب بھی ہوئے، لیکن مسلم فکر اس وقت تک بہرحال اتنی توانا تھی کہ اسے یونانی فکر کے حملے کو پسپا کر دینے میں زیادہ دقت نہ ہوئی اور اعتزال کا فتنہ بتدریج اشعریت اور ماتریدیت کی صورت میں مسلم فکر کے مرکزی دھارے میں

☆سینئر ایڈیٹر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذب ہوتا چلا گیا اور بعد میں امام غزالی، امام رازی اور ابن تیمیہ وغیرہ نے تابڑ توڑ حملے کر کے اس کی کمر ہی توڑ دی۔ لیکن متعدد عوامل کی بنا پر (جن میں سیاسی عدم استحکام، منگولوں کا حملہ، تدوین فقہ کی کوششوں کی جامعیت و عبقریت، مذہبی انتشار، اخلاقی اضمحلال وغیرہ شامل ہیں) تحقیق وتفتیش اور فکری حریت کا یہ سفر اسی آب وتاب سے جاری نہ رہ سکا اور علمائے کرام کو اجتہاد کی بجائے تقلید میں عافیت نظر آنے لگی۔

مسلم زوال کی ایک اور بنیادی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم وتزکیہ میں دراڑیں پڑ گئیں اور وہ فرد تیار ہونا بند ہو گیا جیسا کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ہوتا تھا۔ تاہم یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا بلکہ بتدریج ہوا اور نور نبوت کی روشنی اتنی توانا تھی کہ منگولوں کے بڑے جھٹکے اور دیگر چھوٹے موٹے بے شمار دھچکوں کے باوجود تقریباً ایک ہزار سال تک مسلم دنیا کے دل و دماغ کو منور کرتی اور انہیں قوت عمل مہیا کرتی رہی، تا آنکہ مسلمانوں کے قلوب زنگ آلود ہونے اور عقلیں کند ہونے کی وجہ سے ان کی بے علمی و بے عملی اس حد کو جا پہنچی کہ نور نبوت سے اکتساب کے قابل نہ رہی اور مسلمان محض ''پدرم سلطان بود'' کے نعرے تک محدود ہو کر رہ گئے۔

اسے کوئی سوئے اتفاق کہے، مسلمانوں کی کمزور منصوبہ بندی یا اللہ کی مشیت کہ مسلمان افریقہ، شرق اوسط، وسط ایشیا اور مشرق بعید تک کے علاقوں پر تو اسلام کا جھنڈا گاڑنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن یورپ کے قلب تک نہ پہنچ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی یورپ ہمیشہ مسلمانوں کا حریف اور مدمقابل رہا اور صلیبی جنگوں میں کبھی جیتا اور کبھی ہارتا رہا۔ وہاں کے مذہبی اور سیاسی طبقے نے اپنے مفادات کے لیے مسلمانوں کے خلاف عوام میں نفرت کے گہرے بیج بو دیے اور جب مسلم ریاستیں اپنی داخلی کمزوریوں کی وجہ سے مضبوط نہ رہیں اور اہل مغرب خواب غفلت سے بیدار ہو کر توانا ہو گئے تو انہوں نے سازشوں سے مسلمانوں کو باہم لڑایا، کمزور کیا، پھر مل کر ان پر حملہ کیا اور انہیں غلام بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمانوں، خصوصاً علمائے کرام نے ان کی حتی المقدور مزاحمت کی لیکن ان کا راستہ نہ روک سکے۔ بالآخر بیسویں صدی میں غالباً 'تلك الایام نداولها بین الناس' کے الٰہی اصول پر یورپی اقوام آپس میں لڑ کر کمزور ہوئیں اور مسلمانوں کو غلامی کی زنجیریں توڑنے کا موقع مل گیا۔

بیسویں صدی میں مغرب کی غالب الحادی فکر وتہذیب کے ساتھ تعامل کے تناظر میں مسلم معاشرے میں اسلامی فکر کے تین پہلو ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ ایک تجمد کا پہلو جس کی طرف میلان ہمارے روایتی علمائے کرام رکھتے ہیں جن کے ہاتھ میں مسلمانوں کے مدارس ومساجد کی آبادی اور معاشرے کے مذہبی رسوم ورواج کی ادائیگی ہے اور وہی مسلم معاشرے میں اسلام کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی حالت بقول اقبال یہ ہے کہ:

آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

وہ اپنے قدیم ائمہ فقہا کی آرا کو بھی تقدیس کا درجہ دینا گو اصولاً نہ تسلیم کرتے ہوں لیکن عملاً تو دیتے ہی ہیں اور اسی طرح گو اجتہاد کا اصولاً انکار نہ کریں لیکن عصر حاضر میں کسی فرد میں عملاً مجتہد ہونے کی صلاحیت تسلیم کرنا یا اسے حق اجتہاد دینا انہیں ممکن نظر نہیں آتا۔ اسی طرح جدید عصری مسائل کے وجود کے بھی وہ منکر نہیں، لیکن اپنے مدارس میں وہ ایسے فقہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیار کرنے کے لیے آج بھی آمادہ نہیں جو اہل مغرب کی زبان سمجھتے ہوں، ان کی تہذیب کی فکری اساسات وفلسفے اور تہذیبی اداروں اور مظاہر سے واقف ہوں اور مغربی فکر وتہذیب سے تعامل کے نتیجے میں مسلم معاشرے جن مسائل سے دوچار ہیں، ان مسائل کے حل کی تربیت ان کے دینی مدارس میں انہیں دی جاتی ہو اور اس حوالے سے وہ امت کی رہنمائی کر سکتے ہوں۔

دوسرا رویہ تجدد کا ہے۔ اس رویے کے حامل وہ لوگ ہیں جو خود کو روشن خیال سمجھتے ہیں، تجمد کی مذمت کرتے ہیں اور بزعم خویش وہ اس کار خیر میں مصروف ہیں کہ اسلامی تعلیمات کو عصر حاضر کی عقلیت کے مطابق ثابت کر سکیں جب کہ ان کے بارے میں دوسرے سب لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ مغرب کی الحادی فکر وتہذیب سے مرعوب ہیں اور اسلام کی کتر بیونت کر کے اور مغربی تقاضوں کے مطابق اسلامی احکام کی تشریح کر کے مغربی لباس کو اسلام کے جسم پر فٹ کرنا چاہتے ہیں۔ گویا بقول اقبال:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

ان کو اسلام کی ہر وہ چیز قابل مدح لگتی ہے جو مغربی فکر وتہذیب کے مطابق ہو اور اسلام کی ہر اس فکر، رائے اور ادارے کو وہ قابل تغیر اور قابل تاویل سمجھتے ہیں جو مغربی فکر وتہذیب کے مطابق نہ ہو، اور ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ عقلی استدلال اور تاویل کے ہنر سے کسی نہ کسی طرح نصوص شرعیہ کی ایسی تشریح کر سکیں جس سے وہ مغربی فکر وتہذیب کے قریب نظر آئیں یا اس کے مطابق دکھائی دینے لگیں۔ برصغیر میں مغربی فکر وتہذیب سے مرعوب ومتاثر ان متجددین کی کاوشوں کی بھی ایک پوری تاریخ ہے جس کے سالار اول سر سید احمد خان تھے اور جن کی آج کے پاکستان میں نمائندگی جناب جاوید احمد غامدی صاحب کرتے ہیں۔

صحیح اور متوازن نقطہ نظر یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں فکری رویے افراط وتفریط پر مبنی ہیں۔ نہ تجمد صحیح ہے اور نہ ہی تجدد، اعتدال اور توسط کی راہ ہی درست ہے اور اسی میں خیر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ 'خیر الامور اوسطھا' اور نماز وسطیٰ کو آپ نے بہترین نماز قرار دیا۔ اسی طرح قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ہم نے تمہیں امت وسط بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام جس فکری حریت کا علم بردار ہے اور جس کا مظاہرہ ہمارے اسلاف کرتے رہے ہیں، آج بھی اسی کو اپنایا جائے۔ ہر نئی چیز بدعت اور مضر نہیں ہوتی سوائے اس کے جو خلاف اسلام ہو، لہٰذا قرآن وسنت کی رو سے ہر اس جدید کو قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں جو خیر اور معروف پر مبنی ہو، جو قرآن وسنت اور مقاصد شرعیہ کے خلاف نہ ہو اور جس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو۔ تاہم اس امر کا شعوری ادراک بہت ضروری ہے کہ مغربی فکر وتہذیب (جو اس وقت دنیا کی غالب فکر وتہذیب ہے) وہ اپنی اصل میں غیر اسلامی ہے۔ سیکولرازم، ہیومنزم، لبرل ازم وغیرہ (جن کے پیش نظر یہ دنیا اور اس میں انسان کی خدائی ہے) اسلامی تصور انسان، تصور کائنات اور تصور الٰہ کی ضد ہیں۔ لہٰذا اس فکر وتہذیب اور مسلم معاشرے کے تعامل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کا سامنا کرتے ہوئے ہمیں ذہنی بیداری کی ضرورت ہے کہ ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر اس غیر اسلامی (بلکہ اسلام دشمن) فکر وتہذیب سے مرعوب ومتاثر نہ ہو جائیں اور ان کا ناخوب بھی ہمیں خوب نظر نہ آنے لگے۔ ہمیں اجتہاد کی ضرورت ہے، ہم حریت فکر کے علم بردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم جدیدیت اور تجدید کے نام پر مغربی فکر کا ہر رطب و یابس قبول کر لیں۔ نہیں! ہمارے رد و قبول کے اپنے پیمانے ہیں اور ہمیں انہیں پیمانوں کو استعمال کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج فکر اسلامی کو درپیش چیلنج یہ ہے کہ تجمد اور تجدد کے افراط و تفریط پر مبنی رویوں سے بچتے ہوئے اعتدال و توسط کی راہ پر چلا جائے اور ایسی تجدید کو قبول کیا جائے جو اسلامی معاییر کے مطابق ہو لیکن اس کے ساتھ ہی نہ صرف مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے مفاسد سے بچنے کی شعوری کوشش کی جائے بلکہ دو کام اور بھی کیے جائیں:

ایک تو یہ کہ مغربی فکر و تہذیب کا شعوری منصوبہ بندی سے علمی، فکری، تہذیبی اور عملی کوششوں سے رد کیا جائے اور اس کے مقابلے میں فکر اسلامی کی ہر لحاظ سے برتری اور بہتری کا عقل و استدلال سے اثبات کیا جائے۔

دوسرے فکر اسلامی کو مسلم فرد کے اذہان و قلوب میں راسخ کرنے اور مسلم معاشرے میں اس کے عملی غلبے و استحکام کے لیے تعلیم و ابلاغ و تزکیہ پر مبنی درست سمت میں کوششوں کو فزوں تر کیا جائے تاکہ اس سے مطلوبہ نتائج عملاً نکلتے نظر آئیں۔

دینی مدارس کا نصاب و نظام نقد و نظر کے آئینے میں

o اہداف و مقاصد اور تاریخی و معاشرتی کردار — o دینی مدارس، حکومت اور بین الاقوامی حلقے

o نصاب تعلیم اور طریق تدریس — o اصلاح احوال کے مختلف پہلو اور حکمت عملی

☆ از قلم: ابو عمار زاہد الراشدی ☆

صفحات: ۴۱۶ ۔ قیمت: ۲۸۰ روپے

دینی مدارس اور عصر حاضر

(الشریعہ اکادمی کے زیر اہتمام فکری نشستوں اور تربیتی ورکشاپس کی روداد)

☆ ترتیب: شبیر احمد خان میواتی ☆

صفحات: ۲۴۰ ۔ قیمت: ۱۸۰ روپے

ناشر: الشریعہ اکادمی، ہاشمی کالونی، کنگنی والا، گوجرانوالہ

تقسیم کنندہ: دار الکتاب، دار الکتاب، غزنی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-7235094

© rasailojaraid.com